سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو برہان ماہ اگست ۱۹۷۱ء

چند روز جاپان میں

(۵)

سعید احمد اکبرآبادی

کانفرنس میں جو تقریریں ہوئیں ان کی روشنی میں فیصلہ کیا گیا کہ کانفرنس کے کام کو آگے بڑھانے اور یہاں جو تجویزیں منظور ہوئی ہیں ان کو عملی صورت دینے یعنی دنیا کی رائے عامہ کو ہموار کرنے اور مجلس اقوام متحدہ کو ان تجاویز کی حمایت پر آمادہ کرنے کی غرض سے ایک مستقل تنظیم "مذہبی کانفرنس برائے امن" کے نام سے قائم کی جائے۔ اس تنظیم کے عہدہ دار حسب ذیل حضرات ہوئے۔

(۱) آرچ بشپ فرنانڈس (ہندوستان) صدر

(۲) شری آر آر دواکر (")
(۳) ربی موریس آئزن ڈراتھ (امریکہ)
(۴) ڈاکٹر ڈانا میکلن گریلے (")
(۵) ڈاکٹر محمود حسین (پاکستان)
(۶) مسٹر توشیو ہکاٹے (جاپان)
(۷) ریورنڈ نکیو نوانو (")

نائبین صدر

(۸) ڈاکٹر ہومر جیک (امریکہ) سکریٹری جنرل

کانفرنس کی مجلس منتظمہ کے اراکین جو حضرات منتخب ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) مسٹر جوائے بی چپنڈا (کینیا ، مشرقی افریقہ)
(۲) ریورنڈ آئم گیھی نیاشمی (جاپان)

(۳) ڈاکٹر خواجہ غلام السیدین (ہندوستان) (افسوس ہے گذشتہ ماہ دسمبر کی ۱۰ کو ان کی وفات ہو گئی۔

(۴) ریورنڈ انادا (جاپان)

(۵) مسز این موناوسکا (پولینڈ)

(۶) مسز کیٹانک باگوس اوکا (انڈونیشیا)

(۷) ریورنڈ ایڈورڈ مرے (امریکہ)

(۸) سردار گوپال سنگھ (ہندوستان)

سیر و سیاحت کانفرنس کی تاریخوں میں ایک دن یعنی ۱۵ اکتوبر کو سیر و سیاحت کے لیے محفوظ رکھا گیا تھا۔ چنانچہ اس دن صبح کو ناشتہ کے بعد ہی ہم لوگ نارہ NARA کے لیے روانہ ہوئے جو کوٹو سے ڈیڑھ سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ہوگا۔ جاپان دنیا کا ایک عظیم مذہبی ملک ہے۔ اس بنا پر نہایت عظیم الشان مندر اس کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یوں تو جنوب مشرق ایشیا کے قدیم مذاہب بودھ مت اور ٹاؤ ازم (TAOISM) ہیں اور جاپان میں بھی ان مذاہب کے معابد ہر جگہ کثرت سے موجود ہیں لیکن جس کو ہم جاپان کا قومی مذہب کہہ سکتے ہیں وہ شنٹو یزم (SHINTOISM) ہے۔ یہ مذہب عمر کے اعتبار سے تقریباً اسلام کے برابر ہے۔ اس مذہب کی دو بنیادی کتابیں ہیں۔ (۱) ایک کوجکی اور دوسری (۲) اِبارائی نوکوٹوبا۔ اول الذکر کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے۔ یہ تیرہ سو برس پرانی اور جاپان کی قدیم ترین تحریری دستاویز ہے۔ اس مذہب میں فطرت کو خدا مانا گیا ہے۔ جس کا نام ان کے ہاں "کن گرا" ہے۔ جاپان میں اس کو اس درجہ مقبولیت حاصل ہوئی کہ اس نے بودھ مت کی جگہ لے لی اور جاپان کا قومی مذہب بن گیا۔ جیسا کہ ہر مذہب کی تقدیر ہے ایک عرصے کے بعد یہ شاخ در شاخ ہو گیا اور سب آج کل جاپان میں نئے پرانے اس کے متعدد اڈیشن پائے جاتے ہیں۔

دو نئے مذہب بودھ مذہب اور ٹاؤ ازم اور شنٹو ئزم تو جاپان کے دیرینہ مذاہب ہیں۔ گذشتہ ایک صدی میں یہاں دو اور نئے مذہب پیدا ہوئے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ ان دونوں مذہبوں کی بانی

الگ الگ دو خواتین ہیں۔ ان خواتین نے اپنے متعلق پیغمبر یا رشی ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ اپنے آپ کو خدا کا اوتار کہا۔ ان دونوں میں سے ایک مذہب کا نام ٹنریکیو (TENRIKYO) ہے اس مذہب کی بانی کا نام میکی ناکایاما (MIKI NAKAYAMA) ہے۔ یہ خاتون ۱۷۹۸ء میں ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوئی۔ تیرہ برس کی عمر میں شادی ہوئی طبیعت میں عبادت اور نیک کاموں کی طرف میلان شروع سے تھا۔ عمر میں اضافہ کے ساتھ یہ وصف ترقی کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ۱۸۳۸ء میں ایک نئے مذہب کا اعلان کیا اور اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت کے لیۓ زندگی وقف کر دی۔ جو کچھ زر زمین اپنے پاس تھی وہ سب خیرات کر دی اور درویشی کی زندگی اختیار کر لی۔ اسی اثنا میں شوہر کا بھی انتقال ہو گیا تو موصوفہ کا ایک بیٹا جس کا نام اِشوجی تھا ترکاریاں اور ایندھن بیچنے کا کاروبار کرنے لگا۔ پورے گھر کی گذربسر کا دارومدار اسی پر تھا اور زندگی عسرت سے بسر ہوتی تھی۔ دس برس تک کسی نے اس نئے مذہب کی طرف رخ نہیں کیا لیکن اس کے بعد لوگ اس طرف متوجہ ہوۓ اور ملک میں اس نئے مذہب کا چرچا ہوا تو حکومت کی طرف سے اس کی سخت مخالفت ہوئی۔ مذہب کی بانیہ کو بار بار گرفتار کیا گیا اور سزائیں دی گئیں لیکن ملک میں مذہب کی مقبولیت بڑھتی رہی۔ اسی برس کی عمر میں انتقال ہوا۔ نارا میں جہاں ہم گئے تھے اس مذہب کا ایک نہایت وسیع اور عظیم الشان مندر ہے یہیں موصوفہ کی قبر ہے۔ پیروان مذہب کا عقیدہ ہے کہ ان کی پیشوا قبر میں زندہ ہے۔ کھانا پینا اور زندگی کے دوسرے معمولات بدستور قائم ہیں اور وہ اپنے پیروان مذہب کو ہدایات بھی بھیجتی رہتی ہے۔ ہم لوگوں نے مندر میں گھوم پھر اس کی تمام عمارتیں دیکھیں ان کا طریق عبادت دیکھا اسکے بعد مندر کے قریب ہی ایک اور بڑی عمارت تھی جو اس مذہب کے لوگوں کے لیۓ ایک کلب کی حیثیت رکھتی ہے یہاں ہم سب لنچ پر مدعو تھے۔ پہلے انجمن کے صدر نے مذہب کی تاریخ اور اس کے بانی کے سوانح حیات بیان کرنے کے بعد ہم لوگوں کو خوش آمدید کہا۔ اس کے بعد ڈاکٹر محمود حسین نے ہماری طرف سے شکریہ ادا کیا۔ پھر کھانا آیا تو نہایت مکلف تھا۔ یہاں مجھ کو سب سے زیادہ دو چیزیں بہت پسند آئیں۔ ایک مچھلی جو یہاں کسی خاص قسم کی تھی اور اس میں وہی مزہ تھا جو سمندر کی مچھلی میں ہوتا ہے

یعنی ہلکا ہلکا کھارا پن اور خستگی اور دوسرے خربوزہ! یہ بہت شیریں اور سرد تھا۔ اس قسم کا خربوزہ کیلی فورنیا میں کثرت سے ہوتا ہے۔ یورپ میں قیام کے زمانہ میں اکثر کھاتا تھا۔

صدرِ انجمن نے اپنی تقریر میں بیان کیا کہ ٹنریکیو مذہب کی بانیہ کے انتقال کو ابھی چند برس اوپر ایک صدی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود اس وقت امریکہ، کناڈا، یورپ، افریقہ اور جنوب مشرق ایشیا کے ممالک میں اس مذہب کے سولہ ہزار معابد موجود ہیں۔ جو لوگ اس مذہب کی تبلیغ و اشاعت کا کام کر رہے ہیں ان کی تعداد ایک لاکھ بیس ہزار اور پیروان مذہب کی تعداد تیس لاکھ ہے۔ اس مذہب کا مرکزی دفتر جاپان کے مشہور شہر ٹنری میں قائم ہے۔ اس دفتر کے زیرِ انتظام کنڈرگارٹن سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک تعلیمی ادارے، شفاخانے جن میں ایک ایک ہزار مریضوں کے بستروں کا انتظام ہے۔ یتیم خانے، عجائب گھر اور ان کے علاوہ سماجی فلاح و بہبود کے دوسرے ادارے ملک بھر میں کثرت سے قائم ہیں۔ رہی مذہب کی تعلیمات! تو اس کی عبادت میں مراقبہ (MEDITATION) پر اور معاملات میں اخلاقی پاکیزگی پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ یہ کہتا ہے کہ "دنیا میں انسان کو حقیقی مسرت اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کہ خدا کی تعلیم اور اس کی مرضی کے مطابق روح میں پاکیزگی اور بلندی پیدا نہ ہو۔" جاپان کے اربابِ علم و قلم کا عام خیال یہ ہے کہ یہ مذہب دراصل شنتوازم کی ایک شاخ ہے لیکن خود اسی مذہب کے لوگ اس خیال کی سختی سے تردید کرتے ہیں۔

دوسرا نیا مذہب اوموٹو (OOMOTO) ہے۔ یکم جنوری ۱۸۹۲ء کو اس کا قیام ہوا۔ اس حساب سے اس کی عمر کل ستر برس ہے۔ ایک خاتون جس کا نام "نا ؤڈ گوچی (NAO DEGUCHI) ہے اس مذہب کی بانی تھی۔ فکوچیا ما (FUKUCHI YAMA) جو جاپان کے صوبہ ٹمبا (TAMBA) میں شامل ہے، اس کے ایک نہایت معمولی اور غریب گھرانہ میں ۱۶ دسمبر ۱۸۳۶ء کو اس خاتون کی پیدائش ہوئی۔ اس کا والد جس کا نام کریمورا اور ایک بڑھئی تھا گذر بسر بڑی مشکل سے ہوتا تھا، اس لئے ڈگوچی نے بچپن اور آغازِ شباب کا زمانہ بڑی عسرت میں گذارا۔ بیس بائیس سال کی عمر میں ایک بڑھئی سے شادی ہو گئی لیکن یہاں بھی گذر بسر کا وہی عالم تھا۔ دو میاں بیوی اور آٹھ بچے

ان سب کا خرچ پورا کرنے کے لئے شوہر کے ساتھ بیوی کو بھی محنت مزدوری کرنی پڑتی تھی۔ اس غربت افلاس اور تنگدستی کے باوجود ڈگوچی اپنی نیکی، انسانی ہمدردی اور خدمت اور راست بازی کے باعث محلے کے لوگوں میں بڑی عزت سے دیکھی جاتی تھی۔ اس کی عمر اکیاون برس تھی کہ ساٹھ برس کی عمر میں شوہر کا انتقال ہو گیا۔ اب گھر کی پوری ذمہ داری تنہا ڈگوچی کے سر آپڑی جس کو اس نے بڑے صبر اور استقامت سے انگیز کیا۔ اس کی طبیعت شروع سے مذہبی اور عبادت کی طرف مائل تھی۔ عمر میں اضافہ کے ساتھ اس جذبہ میں بھی ترقی ہوتی رہی۔ نوبت بانیجا رسید کہ یکم جنوری ۱۸۹۲ء کو جبکہ اس کی عمر ۵۶ برس کی تھی اس نے ایک خواب دیکھا کہ ایک بہت عالی شان محل ہے۔ اس میں بڑے بڑے ہال کمرے، برآمدے اور صحن ہیں۔ چاروں طرف باغ اور چمن ہیں۔ درمیان میں نہریں بہ رہی ہیں اور فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ ہال میں ایک مجلس جمی ہوئی ہے۔ صدر مجلس ایک شخص ہے جس کی شکل و صورت بڑی نورانی اور وجیہ ہے۔ وہ کوئی وعظ کہہ رہا ہے۔ یہ بھی اس مجلس میں بیٹھ گئی۔ صدر مجلس کی اس پر نگاہ پڑی اور اس نے اس خاتون کو غور سے دیکھا تو اب اس کی حالت ہی دگرگوں تھی۔ آنکھ کھلنے کے بعد اس نے لوگوں کو نیکی اور انصاف کی راہ پر چلنے کی دعوت کو اپنی زندگی کا مشن بنا لیا۔ اور ہمہ تن اس کام میں مصروف ہو گئی۔ اس زمانہ میں حکومت جاپان بڑی مستبد اور جبر پسند تھی عام انسانی حقوق کا احترام نہیں کیا جاتا تھا۔ امیری اور غریبی میں جو فاصلہ تھا وہ ناقابل عبور تھا۔ اور شہنشائیت اپنے اصل رنگ و روپ میں جلوہ نما تھی۔ اب اس خاتون نے عبادت میں غایت درجہ انہماک و استغراق کے ساتھ پبلک میں انسانی مساوات اور عدل و انصاف کا وعظ کہہ کر بالواسطہ یا بلاواسطہ حکومت پر بھی تنقید کرنی شروع کی تو اس کو گرفتار کر کے قید میں ڈال دیا گیا لیکن اسکے رویہ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی۔ ایک مدت کے بعد جب یہ رہا ہوئی تو اس نے پھر اپنے مشن کی تکمیل شروع کر دی۔ اب پبلک میں اس کی مقبولیت کا غلغلہ بلند ہو چکا تھا اور لوگ کثرت سے اس کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں داخل ہونے لگے تھے۔

اس مذہب کے لوگوں کا بیان ہے کہ یہ خاتون اگرچہ تعلیم یافتہ نہیں تھی لیکن قید کے زمانہ

میں اس کو جو کچھ الہام ہوتا تھا اسے اپنے الٹے سیدھے اور ٹیڑھے ترچھے خط میں وہ کہہ یا کوئلہ سے قید خانہ کی دیوار پر لکھ دیتی تھی۔ بعد میں لوگوں نے ان تمام تحریروں کو یکجا کیا تو یہی اس کی مذہبی اور الہامی کتاب بن گئی۔ یہ مذہب دراصل عیسائیت اور بودھ مت کی پیوند کاری سے عالم وجود میں آیا ہے لیکن اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات بھی اس میں شامل ہیں جاپان کے شہر آیابا (AYABE) میں اس مذہب کی ایک عظیم الشان عبادت گاہ کی چوٹی پر پتھر کے دو کتبے لگے ہیں جن میں لکھا ہے:

(۱) دنیا کی تعمیر از سر نو ہوگی اور وہ ایک خدائے حاکم کے ماتحت سابقہ آسمانی بادشاہت میں منتقل ہو جائے گی۔ (۲) خدا اس عالم کی ہر چیز کا حاکم اور فرماں روا ہے اور انسان زمین اور آسمان میں خدا کا نائب اور خلیفہ ہے جب انسان خدا سے متصل اور اس میں جذب ہو جاتا ہے تو اس میں غیر محدود طاقت وقوت اور ذمہ داری پیدا ہو جاتی ہے۔ ان دونوں کتبوں سے اس مذہب کی اسپرٹ کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ یہ مذہب دنیا کے پانچ بڑے مذاہب جن میں ایک اسلام بھی ہے انکو ایک ہی درخت کی مختلف شاخیں مانتا اور ان سب کی مذہبی کتابوں اور ان کے بانیوں کی تعظیم کو ضروری قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس مذہب کے لوگوں اور چین کی ایک روحانی تحریک جس کا نام ٹاؤیوان (TAO YUAN) ہے اور جو وہاں ۱۹۲۳ء میں پیدا ہوئی تھی اور جس کے آج چھ لاکھ سے زیادہ افراد ممبر ہیں۔ ان دونوں کے تعاون اور اشتراک سے ۲۰ مئی ۱۹۲۵ء کو پیکنگ میں مذاہب عالم کے وفاق (THE WORLD FEDERATION OF RELIGIONS) کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ اور موجودہ مذاہب کے نمائندوں نے اس میں شرکت کی۔

یہ مذہب انسانی برادری اور مساوات پر بہت زور دیتا ہے۔ اور اسی جذبہ کے ماتحت اسپرنٹو زبان جس کو پولینڈ کے ایک ماہر لسانیات یہودی ڈاکٹر ال۔ ال۔ زیمن ہوف (۱۸۵۹–۱۹۱۷) نے ایجاد کیا تھا اس زبان کو اوموٹو مذہب کے بہت ممتاز پیشوا "اونی سابرو ڈیگوچی" (ONI SABURU DEGUCHI) نے جولائی ۱۹۲۳ء میں اپنے شہر میں متعارف کرایا۔ اس مذہب کی بانیہ کی خوش قسمتی تھی کہ اسکو نہایت مخلص اور فدا کار اور اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ برابر ملتے رہے جنھوں نے حکومت کے قید وبند کو پامردی اور استقلال سے برداشت کیا اور اپنے مشن کی تبلیغ کرتے رہے چنانچہ آج جاپان کے علاوہ یورپ

امریکہ اور جنوب مشرقی ایشیا میں اس مذہب کے ماننے والے لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ان کے اپنے اسکول اور کالج ہیں۔ اخبارات و رسائل ہیں۔ عبادت گاہیں ہیں۔ آج کل بھی اس مذہب کی سب سے بڑی لیڈر ایک خاتون ہے جس کا نام مسز ناؤہی ہے۔ یہ ۱۹۰۲ء کی پیدائش ہے۔ مذہب کی بانی خاتون کا ۱۹۱۸ء میں انتقال ہوا۔

میں کوتھو کی مذاہب عالم کانفرنس جیسی کسی بین الاقوامی کانفرنس میں جب کبھی شریک ہوتا ہوں تو ایک طالب علم کی طرح شریک ہوتا ہوں۔ چائے پر یا لنچ اور ڈنر پر یا عام مجلسوں میں دوسرے مذاہب کے لوگوں سے بے تکلف ہو کر ملتا ہوں۔ انکے افکار و خیالات غور اور توجہ سے سنتا ہوں۔ ان سے سوالات کرتا ہوں اور اس طرح یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ سائنس اور ٹکنالوجی کے اس دور میں جہاں تک مذہب، روحانیت اور اخلاق کا تعلق ہے دنیا کے لوگ کس طرح سوچ رہے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں کیا کچھ کر رہے ہیں۔ اس نوع کی صحبتوں اور مجلسوں سے فائدہ یک طرفہ نہیں ہوتا۔ میں ان کی سنتا ہوں تو اپنی کہتا بھی ہوں۔ چنانچہ اس مذہب کے اور دوسرے مذاہب کے کتنے ہی مرد و عورت تھے جن کی درخواست پر میں نے اسلام پر انگریزی زبان کی بعض کتابوں کی نشاندہی کی اور قرآن مجید کے بعض انگریزی تراجم اور سیرت پر چند کتابوں کے نام لکھ کر دیئے۔

نارا۔ کوتھو کی طرح جاپان کا قدیم یعنی ایک ہزار برس پرانا شہر ہے۔ جاپانیوں کو قدرت نے چمن بندی اور شہر کی آرائش و زیبائش کا بڑا لطیف ذوق عطا فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ شہر بھی اس ذوق کا بہترین نمونہ ہے۔ یہاں ایک وسیع اور کشادہ پارک ہے جو "ہرن پارک" کہلاتا ہے۔ اس میں کثرت سے خوبصورت خوبصورت ہرن ہیں اور وہ انسانوں سے اس درجہ مانوس ہیں کہ ان کو دیکھ کر رم نہیں کرتے۔ اس شہر میں ایک نہایت عظیم الشان اور بہت پرانا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت سے ایک سو برس بعد کا تعمیر کیا ہوا مندر بھی ہے جس میں مہاتما گوتم بدھ کا تانبے کا اتنا بڑا مجسمہ رکھا ہوا ہے کہ دنیا میں اتنا بڑا کوئی اور مجسمہ نہیں ہے۔ ہم لوگ جب اس مندر میں گھوم پھر رہے تھے اس وقت ایک اسکول کے بچے اور بچیاں بھی سینکڑوں کی تعداد میں اپنے استادوں اور استانیوں کے ساتھ وہاں پکنک کے لئے آئے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر ہر شخص اس اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے کہ بیشک یہ بچے کسی نامور اور زندہ قوم کے جگر پارے ہیں۔ سب ایک نہایت صاف ستھرے اور خوبصورت یونیفارم میں ملبوس!

جاپان کی گڑیا مشہور رہے ہیں سب خوب گورے چٹے۔ تندرست و توانا۔ سب کے چہرے متبسم خوش طبع اور خوش مزاج، اچھلتے کودتے۔ اِدھر سے اُدھر پھر رہے تھے لیکن نہ کہیں ہنگامہ اور شور تھا اور نہ غل غپاڑہ نہ گندگی اور نہ غلاظت۔ ایک فوج کی طرح ڈسپلنڈ۔

شام کو نارا سے واپسی ہوئی تو پروگرام کے مطابق کوٹو کے مندروں کو دیکھا۔ میں نے مندروں کی اتنی بڑی تعداد اور ان کا یہ اہتمام یا تو ۱۹۶۲ء میں تھائی لینڈ میں دیکھا تھا۔ یا اب یہاں دیکھا۔ ایک مندر میں جو وہاں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ہماری آمد کے موقع پر اجتماعی عبادت کا انتظام بھی کیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ عبادت بھی ہوئی مسلمانوں میں سے بھی دو تین حضرات شریک ہوئے لیکن میں اور باقی دوسرے مسلمان اس میں شریک نہیں ہوئے۔ ان کے گرانڈ پجاری نے جب مجھ سے بھی کہا تو میں نے جواب دیا۔ "کیا آپ میرے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں؟" اس نے کہا "نہیں" میں نے کہا "تو پھر میں آپ کی عبادت میں کیوں شریک ہوں" علاوہ ازیں ہم مسلمان کسی دوسرے مذہب کی عبادت میں مذہباً شریک ہو بھی نہیں سکتے"۔ جب یہ اجتماعی عبادت ختم ہوگئی تو مندر کے ارباب انتظام کی طرف سے چائے پانی سے ہم لوگوں کی تواضع کی گئی۔ اس سے فراغت کے بعد یہاں سے رخصت ہو کر ۸ بجے شام کو ہم لوگ اپنی قیام گاہ پہنچ گئے۔

پروفیسر عبداللہ ٹیما کانفرنس کے مقامی مندوب پروفیسر عبدالکریم واستو بھی تھے یہ نو مسلم جاپانی اور ٹوکیو یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔ اور زبانوں کے علاوہ انگریزی اور فارسی بھی اچھی خاصی جانتے اور ان میں گفتگو کرلیتے ہیں۔ جاپان میں مسلمانوں کی جو ایک مختصر مذہبی تنظیم قائم ہے اسکے صدر اور سرگرم کارکن ہیں اور اسی حیثیت سے بین الاقوامی اسلامی کانفرنسوں میں جاپان کی نمائندگی بھی کرتے ہیں۔ اسی تقریب سے میری انکی ملاقات دیرینہ ہے اور میرے بڑے مخلص اور کرم فرما دوست ہیں۔ غالباً قاہرہ یا انڈونیشیا کے کسی سفرنامہ میں بھی انکا تعارف کرایا بھی ہے بہرحال اس کانفرنس میں ان سے ملاقات ہوئی تو بڑی مسرت ہوئی۔ حسب معمول بڑی محبت اور خلوص سے پیش آئے اور اتفاق سے کانفرنس کے ہال میں میری اور انکی نامزد کردہ سیٹ پاس پاس ہی تھی اس لیے اور بھی خوب ملاقات اور گفتگو رہتی تھی ایک دن میں نے ان سے فرمائش کی کہ میں کوٹو کی شہری اور اندرونی زندگی دیکھنا اور اسکی سیر کرنا چاہتا ہوں اس میں آپ سے بہتر میرا مددگار اور رفیق کون ہو سکتا ہے چنانچہ وہ خوشی سے رضامند ہو گئے اور طے ہوگیا۔